حنفی منہجِ افتاء

مفتی عبید الرحمٰن
مایار، مردان

تعارف واہمیت

تقلیدِ شخصی کا پس منظر

سلف کے دور میں تقلید کی ہر دو قسمیں موجود تھیں، بعض لوگ تقلیدِ شخصی کرتے تھے، جبکہ بہت سے لوگ یوں ہی جو عالم مجتہدمل جاتا، ان سے درپیش مسئلہ کا جواب معلوم کر کے عمل کرتے تھے، جو تقلیدِ غیر شخصی کی ایک صورت ہے۔ اس عہد میں تقلیدِ شخصی ضروری نہ تھی، نہ نظریاتی واصولی طور پر ضروری تھی اور نہ ہی عملی طور پر اس کو واجب کا درجہ دیا جاتا تھا، غیر مجتہد شخص کے لیے ضرورت کے وقت تقلید کی ضرورت تو تھی، لیکن تقلید کی دونوں قسموں میں سے خاص تقلیدِ شخصی کو ضروری خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

بعد کے ادوار میں رفتہ رفتہ اس کے ضروری ہونے کے عناصر پیدا ہوتے گئے اور ساتھ ساتھ حکم میں بھی شدت کے دواعی موجود ہونے لگے، جن کی وجہ سے آخر کار ایسا دور بھی آیا جس میں محتاط اور دور اندیش علماء امت نے عام مسلمانوں کے لیے تقلیدِ شخصی کو بہر حال ضروری قرار دیا۔ تقلیدِ شخصی کا یہ وجوب ولزوم چونکہ بذاتہ اور لعینہٖ نہیں تھا، اس لیے یہ سوال بے جا ہے کہ جب قرآن وحدیث میں ایک چیز کو واجب قرار نہیں دیا تو بعد کے علماء کیونکر اس بات کے مُجاز ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی طرف سے ایسی غیر ضروری چیز کو ضروری کا درجہ دے دیں؟

منہجِ افتاء مدون ہونے کا تاریخی پس منظر

بہر حال تقلیدِ شخصی کے واجب ہونے کا فیصلہ کیا گیا، اس فیصلے کی برکت سے اُمت کا غالب طبقہ بے جا حریت، خواہش پرستی جیسی خرابیوں سے محفوظ رہا، لیکن زمانے کے بڑھنے، گزرنے کے ساتھ ساتھ فقہی مذاہب میں بھی وسعت پیدا ہونے لگی، ہر ہر مذہب میں اجتہادی صلاحیت رکھنے والے اہلِ علم خاصے مقدار میں آتے رہے اور اپنے اپنے اجتہادات وتحقیقات کو مذہب کی کتابوں کا حصہ بناتے رہے۔ اصل مذہب کی بعض باتوں

سے اتفاق، بعض مسائل میں اختلاف اور مختلف اقوال بھی پیدا ہوتے رہے، جس کی وجہ سے چار متبوعہ مذاہب کی ضخامت بڑھتی رہی اور کچھ ہی عرصہ گزر جانے کے بعد ہر مذہب ایک وسیع وعریض صورت میں سامنے آیا، ایک ایک مسئلہ کے متعلق مختلف اقوال، توجیہات وتعلیلات کا ایک وسیع ذخیرہ جمع ہوتا رہا، جس کی وجہ سے صورت حال یہ بنی کہ ہر ہر مذہب مختلف اقوال ودلائل کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔

منہجِ افتاء کی پابندی کی ضرورت

اب جس ضرورت کی وجہ سے خاص تقلیدِ شخصی کو واجب قرار دیا گیا تھا، وہی ضرورت یہاں بھی متحقق ہونے لگی اور اسی کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ فتویٰ دینے کا ایک خاص نہج ترتیب دیا جائے، ورنہ پہلے زمانے میں (اور اب بھی) تقلیدِ شخصی نہ کرنے سے جو شرعی مفاسد اور نقصانات پیش آتے رہے، وہی مفاسد افتاء کا منہج متعین نہ ہونے کی صورت میں تقلیدِ شخصی کے باوجود بھی پیش آسکتے ہیں۔ فقہ وفتویٰ سے شغف رکھنے والے حضرات سے یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔

یہی وہ صورت حال ہے جس کے تناظر میں تمام اہم مذاہب کے مقلدین حضرات کے ہاں فتویٰ دینے کے مختلف ضوابط مقرر کیے گئے اور اپنے مذہب کے تمام اہلِ علم کو اس ضابطے کا پابند بنایا۔ فقہائے حنفیہ نے بھی اس سلسلے میں کچھ بنیادی اصول وضوابط مقرر فرمائے، جو رفتہ رفتہ ایک فن کی شکل اختیار کر گئے۔

موضوع سے متعلق ایک اہم اور بنیادی کتاب

اس باب میں فقہ حنفی کے اصول وضوابط سے متعلق مشہور کتاب علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ''شرح عقود رسم المفتي'' ہے، جس کی ترتیب یہ بنی کہ پہلے آپ نے اس موضوع سے متعلق ایک مختصر نظم تیار کی جو چوہتر (۷۴) اشعار پر مشتمل ہے، اس کے بعد خود ہی اس کی شرح لکھی۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں فتویٰ دینے کے اکثر اصول وضوابط جمع ہیں جو بڑی محنت، مشقت اور بہت کچھ تلاش وتتبُّع کا نتیجہ ہیں۔ اصل مصادر کا صرف حوالہ ہی نہیں، بلکہ اقتباس کی صورت میں اس کی عبارت بھی لکھی گئی ہے، لیکن ربط وضبط کی قلت نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے کما حقہ اس سے استفادہ کرنا اور مطلوبہ نتائج تک پہنچنا مشکل معلوم ہو رہا ہے، شاید اسی کا ناگوار نتیجہ ہے کہ سالہا سال سے یہ کتاب پڑھانے والے حضرات بھی عملی طور پر جب فتویٰ تحریر فرماتے ہیں تو متعدد مرتبہ ان اصول کی پابندی نہیں کر پاتے، بار بار یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اسی کتاب کی بعض عبارات سے استدلال واستیناس کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ کتاب پوری طرح منضبط نہیں ہے، اس لیے وہ استدلال بھی صحیح اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔ یہ ناکارہ دس سال سے ''رسم المفتي'' پڑھا رہا ہے اور تقریباً ہر سال ان

باتوں کا تجربہ ہوتا رہتا ہے، اس لیے ضرورت محسوس کی کہ ترتیب وانتظام کے ساتھ ان ضوابط کو جمع کر دیا جائے، تاکہ فتویٰ دیتے وقت کام آئیں۔ اسی جذبے کے پیش نظر علامہ شامیؒ کی درج بالا کتاب ''شرح عقود رسم المفتي'' کو سامنے رکھ کر یہ ایک ''ضابطۂ فتویٰ'' ترتیب دیا گیا ہے۔

فتویٰ دینے کا منضبط قاعدہ

جب کوئی مسئلہ درپیش ہوجائے اور اس کا شرعی حل تلاش کرنا ہو تو متقدمین کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے گا، پھر وہ مسئلہ یا تو متقدمین کی کتابوں میں ذکر ہوگا یا نہیں۔

متقدمین نے مسئلہ ذکر کیا ہو

اگر متقدمین (۱) کی کتابوں میں مسئلہ ذکر ہو تو اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ان کے احکام بھی مختلف ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

①- اگر متقدمین حضرات کا اس مسئلہ میں اتفاق ہو تو اسی اتفاقی قول کو اختیار کیا جائے گا، اگر اتفاق نہ ہو، بلکہ ان کے ہاں بھی اس مسئلہ میں اختلاف کیا گیا ہو تو اس صورت میں:

②- اصحابِ ترجیح کی طرف مراجعت کی جائے گی، اگر ان میں سے کسی صاحب نے کسی قول کو ترجیح دی ہے تو اسی کو اختیار کیا جائے گا اور اگر کہیں اس کی ترجیح مذکور نہ ہو تو اس کا حکم بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

③- بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ اصحابِ ترجیح کے درمیان تصحیح وترجیح کے معاملہ میں اختلاف آجاتا ہے، ایک فقیہ ایک قول کو اختیار کرتا ہے، جبکہ دوسرا فقیہ دوسرے قول کو راجح قرار دیتا ہے، ایسے اختلاف کے وقت درج ذیل طریقوں سے راجح قول کو متعین کیا جائے گا:

الف: ترجیحِ صریح، ترجیحِ التزامی پر مقدم ہوگی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ترجیح کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو یہ ہے کہ کوئی فقیہ کسی قول کو صاف صریح الفاظ کے ساتھ راجح قرار دے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ترجیح کے لیے کوئی لفظ تو استعمال نہ ہو، لیکن اسلوب اور بعض چیزوں کے التزام کی بنیاد پر کسی قول کا رجحان معلوم ہوجائے، پہلی قسم کو ترجیحِ صریح، جبکہ دوسری قسم کو ترجیحِ التزامی کہا جاتا ہے۔ صریح ترجیح کے بھی بیس کے لگ بھگ الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں اور التزامی ترجیح کی بھی پندرہ کے قریب صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جن کی تفصیل اسی تحریر میں بقدرِ ضرورت ذکر ہوگی۔

ب: اگر دونوں طرف صریح ترجیح ہوں اور اسی میں تعارض پیدا ہوجائے تو ترجیح کے الفاظ میں مادے کے لحاظ سے ایک کو ترجیح دی جائے گی، جس لفظ کے مادے میں ترجیح کا معنیٰ غالب ہو، اس کو اختیار کیا جائے گا۔

مثال کے طور پر ایک قول کو ''اظہر'' یا ''احوط'' کہا گیا ہو اور اس کے مقابل دوسرے قول کے لیے ''مفتیٰ بہ'' یا ''فتویٰ'' کا مادہ استعمال کیا گیا ہو تو اسی دوسرے قول کو راجح قرار دیا جائے گا۔

ج: استعمال اور صیغہ کے لحاظ سے کسی قول کو ترجیح دی جائے گی، مثال کے طور پر دونوں قولوں کو ایسے الفاظ سے ترجیح دی گئی ہو جن کا مادہ ایک ہو تو اس میں سے اگر ایک طرف اسم تفضیل کا صیغہ موجود ہو تو اسی کو اختیار کیا جائے گا، چنانچہ لفظ ''صحیح'' اور ''أصح'' اگر آپس میں متعارض آجائیں تو بہت سے اہلِ علم کے نزدیک پہلے لفظ کے مقابلہ میں دوسرے لفظ کو اسی بنیاد پر مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح حصر وقصر کے صیغہ کو دوسرے پر مقدم کیا جائے گا، مثال کے طور پر ایک قول کے لیے ''الفتویٰ علیه'' کا صیغہ استعمال کیا گیا ہو اور دوسرے کے متعلق ''علیه الفتویٰ'' کی ترکیب استعمال کی گئی ہو تو اسی دوسرے قول کو راجح قرار دیا جائے گا۔

د: ترجیح دینے والے حضرات کے فقہی مقام وطبقہ کو دیکھا جائے گا اور جس کا فقہی طبقہ بلند ہو، اسی کی ترجیح پر عمل کیا جائے گا۔

ھ: اگر ترجیحات میں اختلاف آجائے اور کسی صورت اس میں ترجیح کا کوئی معتد بہ طریقہ موجود نہ ہو[۲] تو اس صورت میں مفتی کو اختیار ہوگا کہ وہ ان دونوں تصحیح شدہ اقوال میں سے جس قول پر چاہے فتویٰ دے سکتا ہے۔ (البتہ اس میں احتیاط کا پہلو اور ضابطہ کی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ قوتِ دلیل وغیرہ مرجحات کو بنیاد بنا کر فتویٰ دیا جائے)۔

متقدمین کے ہاں مسئلہ مذکور نہ ہو

یہ تفصیل تو اس وقت ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں مسئلہ موجود ہو۔ اگر کہیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوجائے جس کا متقدمین کی کتابوں میں کوئی سراغ نہ ملے، تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ متأخرین فقہاء اور مشائخ حنفیہ کی کتابوں میں وہ مسئلہ ذکر ہوگا یا نہیں؟

④- اگر متاخرین فقہاء کے یہاں وہ مسئلہ مذکور ہو، تو اگر وہ حضرات کسی ایک قول پر متفق ہوں تو وہی بات راجح قرار پائے گی۔

⑤- اگر متقدمین کے ہاں مسئلہ مذکور نہ ہو اور متاخرین کے یہاں اس میں اختلاف کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں اکثریت کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔

متاخرین کے ہاں بھی مسئلہ مذکور نہ ہو

اگر مسئلہ جدید نوعیت کا ہو اور متاخرین مشائخِ احناف نے بھی اس سے کہیں تعرض نہ کیا ہو، تو اس صورت میں:

⑥- عام فرد کی ذمہ داری تو یہی ہے کہ مستند اہلِ علم کی طرف رجوع کریں اور جو اہلِ علم فقہی ذوق، فتوی کا تجربہ اور استخراج کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ قواعدِ مذہب اور اشباہ ونظائر کو سامنے رکھ کر کوئی مناسب حل نکالیں۔

ترجیح صریح کے الفاظ

صریح ترجیح میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو کسی قول کے راجح ہونے پر کسی درجہ میں دلالت کرتے ہیں، چاہے وہ فتویٰ اور رجحان کے صریح الفاظ ہوں یا ان کے علاوہ۔ اس لحاظ سے اس کے تحت دسیوں الفاظ داخل ہوجاتے ہیں، جن میں سے مشہور الفاظ درج ذیل ہیں:

''علیه الفتوی. بِهٖ یُفتی. به نأخذ. وعلیه الاعتماد. علیه عمل الیوم. علیه عمل الأمّة. هو الصّحیح. هو الأصحّ. هو الأظهر. هو المختار في زماننا. فتوی مشائخنا. هو الأشبه. هو الأوجه. هو الأحوط.''(۳)

یہ ترجیح صریح کے وہ الفاظ ہیں جو عام طور پر فقہی کتابوں میں ترجیح وتصحیح کے وقت استعمال ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو دیکھ کر راجح قول کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ اگر کہیں اس قسم کے الفاظ آپس میں متعارض ہوجائیں کہ مثلاً ایک مسئلہ میں دو اقوال منقول ہیں اور دونوں کے لیے اس طرح ترجیح کے الفاظ بھی ذکر ہوں تو اس صورت میں اس تعارض کے ختم کرنے اور صحیح قول کو متعین کرنے کا طریقہ وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

ترجیحِ التزامی کے اسباب ووجوہات

ترجیحِ التزامی کے عام متبادر وجوہات واسباب درج ذیل ہیں:

❶- کسی قول کا ظاہر الروایۃ ہونا وجہ ترجیح ہے، چنانچہ اگر ترجیح صریح موجود نہ ہو تو ظاہر الروایہ کو نادر روایات پر مقدم رکھا جائے گا۔(۴)

❷- قیاس کے مقابلہ میں استحسان کو ترجیح دی جائے گی، البتہ چند ایک مخصوص جگہوں میں قیاس کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

❸- متون شروح سے اور وہ فتاویٰ کی کتابوں پر مقدم ہیں، لہٰذا اگر دو ایسے اقوال میں تعارض دکھائی دے دے جن میں سے ایک قول متونِ معتبرہ میں موجود ہو اور دوسرا صرف شروح میں یا فتاویٰ میں ہو تو شروح کے مقابلہ میں متن والے قول کو اور فتاویٰ میں درج قول کی بنسبت شروح میں مذکورہ قول راجح شمار ہوگا۔

❹- صاحبِ قول کا طولِ ممارست بھی ایک وجہ ترجیح ہے، چنانچہ اسی بنیاد پر فقہاء نے عبادات کے باب میں حضرت امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول، قضاء اور اس کے متعلق مسائل کے باب میں حضرت امام ابو

یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول، جبکہ ''ذوي الأرحام'' کے مسائل میں حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

❺- اکثریت بھی ایک وجہ ترجیح ہے۔ ایک قول میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہو اور اس میں کسی قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو تو اکثر فقہاء جس طرف ہیں، اس کو اختیار کیا جائے گا۔ وجہ یہی ہے کہ کم افراد کی بنسبت اکثر افراد کا حق تک رسائی حاصل کرنے کا زیادہ امکان ہے۔

❻- **ترجیح وتصحیح کی لیاقت رکھنے والے فقیہ کا التزام:** یہ بھی ایک وجہ ترجیح ہے، مثال کے طور پر علامہ فخر الدین قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''فتاویٰ'' میں لکھا ہے کہ اختلافی مسائل میں جو قول میرے نزدیک راجح ہوگا، میں اس کو پہلے ذکر کروں گا، اور اس کا عملی طور پر التزام کر رکھا ہے۔ اب ''فتاویٰ قاضی خان'' میں کسی قول کا مقدم ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ مؤلف کے نزدیک وہی قول زیادہ راجح ہے۔ یہی التزام ''ملتقى الأبحر'' میں بھی کیا گیا ہے۔ اسی طرح صاحبِ ہدایہ کی عادت ہے کہ راجح قول کو آخر میں ذکر کرتے ہیں تو ان کے ہاں یہ چیز التزامی ترجیح کے مترادف ہوگی۔ بعض فقہاء اس بات کا التزام کرتے ہیں کہ اختلافی مسائل واقوال میں جو قول زیادہ راجح ہوتا ہے اس کی دلیل وتعلیل ذکر کرتے ہیں، جبکہ دیگر اقوال کی علت ذکر نہیں کرتے، تو ان کے ہاں یہی تعلیل قابلِ ترجیح (التزامی) ہوگی۔

❼- کسی قول کو صراحت کے ساتھ تو ترجیح نہ دی گئی ہو، لیکن اس میں کوئی وجہ ترجیح موجود ہو، مثال کے طور پر:

الف: کسی قول کی دلیل کا واضح طور پر مضبوط ہونا۔

ب: کسی قول کا زمانے کے تقاضے کے ساتھ زیادہ ہم آہنگ ہونا۔

ج: کسی قول کا وقف کے لیے زیادہ سودمند ثابت ہونا۔

د: کسی قول کا مذہب کے عام قواعد وضوابط کے قریب تر ہونا۔

ھ: کوئی قول ایسا ہو جس کو اختیار کرنے کی صورت میں کسی مسلمان کا ایمان واسلام بچ سکے اور اس کو کافر ومرتد کہنے سے بچاؤ ہو سکے۔

دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینا

جو افراد اجتہادی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کے لیے تقلیدِ شخصی عام حالات میں ضروری ہے اور اپنے مذہب سے نکل کر دوسرے مذاہب کے کسی قول پر فتویٰ دینا عام حالات میں ممنوع ہے، بعض مخصوص حالات میں اس کی اجازت ہے، جس کے لیے بنیادی طور پر درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

الف: واقعۃً کوئی ضرورت درپیش ہو اور اسی کی خاطر دوسرے مذہب کی طرف جایا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس طرح ضرورت کے متحقق ہونے کا فیصلہ کرنا ہر ماوشما کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے خاص درجہ کا فقہی ذوق ومہارت ضروری ہے، لہٰذا محض سہولت پسندی کے جذبے سے ایسا کرنا درست ہے اور نہ فقہ وفتویٰ کے ذوق سے نابلد افراد کا فیصلہ معتبر ہے۔

ب: جس مذہب کے مسئلہ کو لینا ہو، اس کو تمام شرائط اور حدود وقیود کے ساتھ لیا جائے، اس میں محتاط اور بہتر صورت یہی ہے کہ متعلقہ مذہب کے مستند اہلِ فتویٰ علماء کرام سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

ج: تلفیقِ مذموم کی صورت اختیار نہ کی جائے۔ تلفیق کا حاصل یہ ہے کہ ایک ہی عمل کے ایک جزء میں ایک مذہب کی بات لی جائے اور دوسرے اجزاء میں دوسرے مذاہب کے احکام کو لیا جائے اور اس کے نتیجے میں کوئی ایسا عمل وجود میں آئے جو کسی بھی مذہب میں درست نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حواشی وحوالہ جات

۱: متقدمین اور متاخرین سے کون کون حضرات مراد ہیں؟ اور اس کا معیار کیا ہے؟ اس کی تعیین میں آراء مختلف ہیں:

۱-تیسری صدی ہجری کے اختتام تک جو علماء گزرے ہیں، وہ متقدمین اور اس کے بعد متاخرین کہلاتے ہیں۔ ۲-امام محمد رحمہ اللہ تک کے فقہاء متقدمین ہیں اور اس کے بعد متاخرین۔ ۳-جنہوں نے امام صاحب یا حضرات صاحبین رحمہما اللہ کا زمانہ پایا ہے، وہ متقدمین ہیں اور اس کے بعد متاخرین ہیں۔ اس کو اختلافِ اقوال پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے اور موقع ومحل کے لحاظ سے استعمال کے اختلاف پر بھی حمل کرنا ممکن ہے۔

۲: یعنی صریح اور التزامی اسبابِ ترجیح میں سے کوئی سبب موجود نہ ہو تب مفتی کو اختیار ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختیار دینے کے لیے صرف ترجیح کے الفاظ واسباب کا متعارض ہونا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ دونوں متعارض وجوہ کا جائزہ لیا جائے اور دیگر مرجحات کو سامنے رکھ کر زیادہ راجح قول کا تعین کیا جاسکے۔ اس تفصیل سے فتویٰ کے کام کی نزاکت وپیچیدگی کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۳: شرح عقود رسم المفتي، ص:۹۷

۴: ظاہر الروایۃ کا معیار ومدار کن کتابوں پر ہے؟ اور اس میں امام محمد رحمہ اللہ کی کون کونسی کتابیں داخل ہیں: اس میں بھی اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں: بعض حضرات کے نزدیک امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابیں ظاہر الروایۃ کا مصدر ہیں، وہ چھ کتابیں یہ ہیں: الجامع الصغير. الجامع الكبير. السير الصغير. السير الكبير. كتاب الأصل. ز يادات. علامہ شامی رحمہ اللہ نے ''شرح عقود'' متن وشرح میں اسی قول کو اپنایا ہے اور مشہور قول بھی یہی ہے۔

بعض حضرات کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ سیر کبیر وصغیر اس میں داخل نہیں ہیں، (ملاحظہ ہو: فتح القدير، باب الإجارة الفاسدة، ج:۸، ص:۳۳۳) جبکہ بعض محققین کا موقف یہ ہے کہ سیر صغیر کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ درحقیقت کتاب الأصل ہی کی کتاب السیر ہے جو ''السير الكبير'' کی بنسبت ''صغیر'' کہلائی، ''كتاب الأصل'' کے محقق دکتور محمد بوینوکالن نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو: مقدمہ کتاب الاصل، ص:۳۳)، اس لیے اس قول کے مطابق ظاہر الروایۃ کا اصل ومصدر بقیہ پانچ کتابیں ہیں۔